جلد ۱۰ شمارہ ۱۸، ۲۰۲۵

Article

A Comparative Study of Male and Female Characters in Selected Dramas of Khalil-ur-Rehman Qamar

خلیل الرحمٰن قمر کے منتخب ڈراموں کے مردانہ اور نسوانی کرداروں کا تقابل

Bushra Sharif[1*], Dr.Shahida Rasool[2]
[1]M. Phil Scholar [2]Assistant Professor (Urdu) The Women University Multan.
***Correspondence:** shahidaRasool9@gmail.com

بشریٰ شریف[۱]، ڈاکٹر شاہدہ رسول[۲]
[۱]ایم فل سکالر، [۲]اسسٹنٹ پروفیسر، اردو ڈیپارٹمنٹ،، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Copyright: © 2025 by the authors.

Abstract:
Drama is relatively modern in fiction. It is the only medium of literature that directly affects society and the social system. Because other mediums of literature are related to speech and hearing, while drama is related to movement and vision, humans naturally can accept immediate effects by seeing things happening. Since drama is the name of the presentation of social facts, in real life, the social system cannot progress in the absence of either man or woman. Since literature is the second name of life, any medium of literature without men and women is incomplete. Most writers interpreted the attitudes that were prevalent in society regarding men and women, while the writer also has the responsibility of reforming the society. If society is suffering from direction lessness and misguidance, then a creator should be brave and dutiful enough to introduce positive moral and constructive thinking at the social level, regardless of prevailing tradition. The play writer is authorized to change the thinking of the viewer with the drama he creates.

Keywords:
Drama, Social Reforms, Literature and Society, Constructive thinking, Gender Representation, Play writes Responsibility, Visual Effects

پاکستان ٹیلی ویژن کے ڈراموں میں موضوعات کے حوالے سے تنوّع پایا جاتا ہے۔ بیشتر ادیبوں نے طبقہ نسواں کے لیے مخاصمانہ رویے کا اظہار کرتے ہوئے انہیں منفی اور احساس کمتری کا شکار دکھایا جبکہ چند مرد اور خواتین ڈراما نگاروں نے عورت کو آزاد اور خود مختار دکھا کر طبقہ نسواں کے حوالے سے رائج پسماندہ سوچ کو مسترد کر دیا۔

ہمارا موضوع عصر حاضر کے معروف ڈراما نگار خلیل الرحمٰن قمر کے منتخب کردہ ڈراموں "ذرا یاد کر" اور "میرے پاس تم ہو" کے مردانہ اور نسوانی کرداروں کا تقابل ہے یہاں ہم کرداروں کے باہم تقابل سے اس امر کی تفہیم کی کوشش کریں گے کہ مصنف نے آزادی حقوق نسواں کی تحریک کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مردانہ اور نسوانی کرداروں کے ذریعے پاکستانی تہذیب و معاشرت کو پروان چڑھانے کی ترغیب دی یا یہ کردار مروجہ روایات و اقدار کے پابند ہیں؟ اور اس نسائی تصوّر کو جاننے کی کوشش کریں گے کہ ان کے ڈرامے کی عورت عقل و تدبّر، بصیرت اور سماجی و تہذیبی سطح پر مرد سے برتر ہے یا کمتر؟ اور کیا وہ عورت کی فعالیت کو صرف گھریلو یا خاندانی سطح پر تسلیم کرتے ہیں یا معاشی و اقتصادی ترقی میں بھی خواتین کا کردار ضروری ہے؟

خلیل الرحمٰن قمر کے ڈراموں کی عورت اگرچہ روتی دھوتی اور احساس کمتری کا شکار نہیں بلکہ تعلیم یافتہ باشعور اور مضبوط کردار کے طور پر جلوہ گر ہے تاہم وہ عورت کو مضبوط اور باہمت دکھاتے تو ہیں لیکن وہ اس آزادی، خود مختاری اور طاقت کے باوجود معاشرتی ترقی اور خوشحالی میں کوئی قابل ذکر کردار ادا نہیں کرتی وہ ان تمام خصوصیات کی حامل ہو کر بھی اخلاقی پستی اور فہم و فراست، تدبر اور بصیرت سے محروم ہے۔ وہ مرد کے برابر نہیں ذہنی پختگی اور مستقل مزاجی ان کے ہاں عورت میں مفقود ہے۔ مرد کردار خواہ وہ کسی بھی اخلاقی برائی کا شکار ہوں ان میں خیر کا پہلو ضرور موجود رہتا ہے۔ ان کے ہاں عورت کے ہاتھوں عورت کا استحصال بنیادی موضوع ہے جبکہ مرد ایک معصوم اور بے قصور مخلوق کے طور پر سامنے آتا ہے۔ خلیل الرحمٰن قمر کے ڈراموں میں مادی ترقی کے اس دور میں زوال پذیر اخلاقی قدروں کو فروغ دے کر نوجوان نسل میں یہ احساس اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قوموں کی ترقی اور بقا تہذیبی اور اخلاقی قدروں کی پاسداری میں مضمر ہے۔ یہاں سب سے پہلے ہم ڈراما "میرے پاس تم ہو" کے مردانہ اور نسوانی کرداروں کے تقابل سے مصنف کے نقطہ نظر کو جاننے کی کوشش کریں گے۔

”میرے پاس تم ہو“ کے مردانہ اور نسوانی کردار

”میرے پاس تم ہو“ ڈرامہ نگار خلیل الرحمٰن قمر کا ڈرامے کی تاریخ کا سب سے مقبول ڈراما سیریل ہے۔

”میرے پاس تم ہو“ خلیل الرحمٰن قمر کا تحریر کردہ ایسا شہرہ آفاق ڈراما ہے جو اکیسویں صدی میں انفرادی شناخت کی آرزومند عورت کی کہانی ہے جبکہ زمانے کے چلن کے برعکس مرد عظمت اور قربانی کے بلند مقام پر نظر آتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ تو محض بے وفائی کو ایک نا قابل معافی گناہ کے طور پر دکھا کر انسان کو صنف کی بنیاد پر تقسیم کر کے ایک کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں اور مخالف صنف کو عظمت کی بلندیوں پر پہنچا دینا نا صرف ایک غیر متوازن سماجی رویے کو فروغ دیتا ہے بلکہ یہ ایک سنجیدہ اور

ذمہ دار ادیب کا مخاصمانہ رویہ بھی ہے۔ڈراما نگار خلیل الرحمٰن قمر بذات خود اس حوالے سے کہتے ہیں:

"میری قوم اپنے ڈراموں سے سیکھتی ہے"(۱)

اس طرح کے ڈرامے جو صنفی تضاد پر مبنی ہوں سماجی تعمیر و ترقی میں خاطر خواہ کردار ادا نہیں کر سکتے۔ڈرامے کی مقبولیت کی بڑی وجہ معاشرے کے عمومی چلن کے بر خلاف ایک ایسی کہانی جس میں عورت کو سفاک اور ظالم جبکہ مرد کو مظلوم اور ستم رسیدہ دکھایا گیا ہے عوام کی توجہ اور دلچسپی کے باوجود کوئی مثبت تاثر قائم نہ کر سکی ڈرامے کا مثالی اور عظیم کردار دانش پورے ڈرامے کی فضا پر حاوی ہے جو حقیقی زندگی سے قدرے دور نظر آتا ہے جبکہ مہوش بدلتی تہذیب کی چکا چوند اور خواہشات کی تکمیل کے لیے تمام مذہبی اور اخلاقی حدود سے تجاوز کر جاتی ہے مہوش کی صورت میں طبقہ نسواں کا جو تاثر نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ عورت کی سماجی اور خاندانی حیثیت کے لیے بے یقینی اور بدگمانی کا باعث بنا۔ڈراما نگار نے اس نسوانی کردار کو علم و شعور سے آراستہ ہوتے ہوئے اقدار و روایات سے بد ظن اور مذہب اور اخلاقیات سے منحرف دکھا کر نا صرف ایک مخصوص نظریہ فکر کی ترویج کی بلکہ حقیقی زندگی میں ہر سطح پہ عورت کے کردار کو مشتبہ کر دیا۔

یہاں دانش اور مہوش کے کردار کے تقابل سے ڈراما نگار کے مخصوص نقطہ نظر کو عصر حاضر کے تقاضوں سے باہم مربوط کر کے اس نقطے کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی کہ زمانے کے بدلتے تقاضوں کے ساتھ روایتی سوچ میں بھی وسعت اور تبدیلی کی ضرورت ہے جنسی تضاد کو زیر بحث لانے کی بجائے بحیثیت فرد معاشرتی و سماجی مسائل کے حل اور ترقی و خوشحالی کے لیے اجتماعی سطح پر عمل درآمد کی ضرورت ہے۔ دانش متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا ایک شریف النفس، دیانت دار، مخلص اور مستقل مزاج مثالی مرد ہے۔یہی صفات و کمالات خلیل الرحمٰن قمر معاشرے کے ہر مرد میں دیکھنا چاہتے ہیں۔جو خوبیاں دانش میں بدرجہ اتم موجود ہیں مہوش ان سے یکسر محروم ہے فریب، جھوٹ، لالچ و حرص، حسد نمود و نمائش حتیٰ کہ ہر اخلاقی برائی مہوش کی شخصیت کا خاصہ ہے یہی نہیں بلکہ مصنف کے نزدیک ہر ترقی پسند اور انفرادی شناخت کی خواہاں عورت انہی اخلاقی برائیوں کا شکار ہے۔ دانش دیانت اور ایمانداری سے جو کماتا ہے مہوش اس پر خوش نہیں جبکہ دانش مہوش کو صبر و قناعت کی تلقین کرتا ہے تعلیم نے مہوش کو شعور تو دیا لیکن فرائض اور ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی اور عاقبت اندیشی سے نبھانے کا نہیں بلکہ اپنے ذاتی مفاد اور مساویانہ حقوق کی جنگ لڑنے کا دانش کی تربیت میں والد کی نصیحتوں کا اثر زیادہ تھا جبکہ والدہ کا کہیں کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔ مہوش کی شخصیت کے پس منظر پر نگاہ ڈالی جائے تو اس کے والدین کا تو ڈرامے میں ذکر ہی نہیں گیا پھر مہوش کے لاابالی اور باغیانہ رویے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ مغربی تہذیب کی تقلید، فیشن پرستی اور بدلتا نظام عورت کی بے راہ روی اور تباہی کی وجہ ہے۔ڈرامے کے آغاز میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ مہوش لامحدود خواہشات کی اسیر ہے شوہر کی تنخواہ سے زیادہ مالیت کے زیورات کی خواہش اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت فطرتاً جلد باز اور جذباتی ہے۔ جبکہ دانش کا کردار مصنف کا نمائندہ کردار ہے جو ان کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتا دکھائی دیتا ہے۔

دانش ایک ناصح کی طرح مہوش کے ذریعے طبقہ نسواں کو یہ پیغام دیتا ہے:

> ”۔۔۔کمر ننگی کر کے یا پھر سلیو لیس پہن کر پھرنے والی لڑکیاں بھوکے مردوں کے سامنے نوالے کی طرح ہوتی ہیں۔ میں نہیں چاہتا ایک ارب پتی کے سامنے میری بیوی نوالے کی طرح پیش ہو ۔۔۔اچھی لڑکی کے پاس کسی غیر مرد کی چاپلوسی کے سامنے ڈٹ جانے یا اس کی ضد اور آفر کے سامنے انکار کرنے کی جرآت ہوتی ہے اور جس لڑکی میں انکار کرنے کی جرات نہیں ہوتی وہ لڑکی کہاں ہوتی ہے نہیں ہوتی وہ لڑکی ۔۔۔لڑکی میں جب انکار کرنے کی جرآت آجائے نا تو پھر جہاں مرضی آئے چلی جائے اسے کوئی فتح نہیں کر سکتا۔“(۲)

ظاہری وضع قطع اور لباس کی بنیاد پر عورت کے کردار کو پرکھنا اور اسے باکردار یا بدکردار تصور کرنا روایتی اور فرسودہ سوچ ہے۔ جبکہ اسی سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے معاشرے میں شہوار احمد جیسے مردوں کی کمی نہیں جو عورت کو انسان نہیں بلکہ دل بہلانے اور تفریح کی ایک چیز سمجھتے ہیں جسے ملکیت سمجھ کر جب چاہا اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا یعنی مرد اگر کوئی برائی یا گناہ کرتا ہے تو وہ مرد ہی رہتا ہے جبکہ عورت بھی انسان ہے وہ بھی غلطی یا گناہ کی مرتکب ہو سکتی ہے پھر اس گناہ پر اس سے لڑکی یا عورت ہونے کا حق کیوں چھینا جائے؟ مرد کھلے عام ہر غلط کام کرنے کا حق رکھتا ہے اور اگر عورت اس کے بہکاوے میں آجاتی ہے پھر بھی قصوروار وہ ہی ٹھہرتی ہے کیونکہ وہ انکار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی مرد صنف نازک کو گمراہی اور گناہ کی طرف راغب کرتے ہوئے بھی خطاکار نہیں ہے۔ یہاں مصنف کی فکر واضح ہوتی ہے کہ عورت کوئی جاگیر یا قیمتی چیز ہے جسے فتح کر کے اپنی ملکیت بنانا مرد کا شیوہ ہے۔

> مہوش دل میں چھپی آرزوئیں پوری کرنے کے لیے جو راستہ اختیار کرتی ہے اسے اگر یوں دکھایا جاتا کہ دانش کی مشکلات کم کرنے اور ضروریات زندگی بہتر انداز میں پوری کرنے کے لیے ملازمت اختیار کرتی ہے اپنی محنت اور صلاحیتوں سے نا صرف معاشی اور اقتصادی ترقی میں شریک ہے بلکہ شوہر اور بیٹے کی ذمہ داریوں کو بھی بخوبی نبھاتی ہے تو کہانی میں عورت کے عزت، مقام اور مرتبے کو خلیل الرحمٰن قمر کے اس بیان سے جوڑا جا سکتا تھا کہ: ”اپنے ڈرامے میں وہ عورت کو ہمیشہ مضبوط دکھاتے ہیں“(۳)

اس مضبوطی کا مطلب روتی دھوتی لاچار عورت نہیں بلکہ ایک نڈر، بےباک، خود غرض، بےحس، بدکردار اور بےحیا عورت ہے۔ جسے ڈرامہ نگار مضبوط کہتے ہیں۔ مہوش بھی اسی قسم کی مضبوط عورت ہے جو شہوار جیسے بدکردار مرد کا شکار بن جاتی ہے اور بےحسی کا مظاہرہ اس قدر بہادری اور ثابت قدمی سے کرتی ہے کہ مخلص شوہر اور معصوم بیٹے کو ایک غیر شرعی رشتے کے لیے چھوڑ دیتی ہے اور دانش جیسے سادہ معصوم اور محبت کرنے والے شوہر کی طرف سے ملنے والی عزت اور محبت کو محض اس لیے ٹھکرا دیتی ہے کہ وہ اس کی لامحدود خواہشات اور خوابوں کو حقیقت کا رنگ نہ دے سکا۔ خلیل الرحمٰن قمر نے دانش کے کردار کے ذریعے یہ دکھایا کہ سرکاری ملازمت کرنے

والے افراد کرپشن اور بے ایمانی کے بغیر ضروریات زندگی بہتر طریقے سے پوری نہیں کر سکتے ڈراما نگار نے مہوش کو بے حد حسین دکھا کر عورت کی جو عزت افزائی کی جابجا اس کے حسن کی تعریف سے اسے ایک بلند رتبہ عطا کیا لیکن خوبصورتی کے علاوہ اخلاقی عادات واطوار اور کردار کی پختگی جیسی کوئی صفت اس نسائی کردار میں موجود نہیں جو طبقہ نسواں کی پارسائی قابلیت وصلاحیت پر طنزیہ چوٹ ہے۔ اس سے زیادہ عورت کی تذلیل کیا ہو گی کہ شوہر بیوی کے نئے محبوب سے اس کے ساتھ تنہا گزارے گئے وقت کا احوال سنے اور کمال صبر وبرداشت سے ثبوت کے طور پر مہوش کی تصاویر دکھانے پر نا صرف دانش اس کی خوبصورتی کی تعریف کرتا ہے بلکہ مہوش کی ریکارڈ شدہ کال سن کر آواز کی تعریف کرتے ہوئے مہوش سمیت تمام طبقہ نسواں کو ذلت ورسوائی کی عمیق گہرائیوں میں دھکیل دیتا ہے جہاں صدیوں سے مردوں کی بے وفائی، ظلم وبربریت سہنے والی کمزور اور بے بس عورت کو اپنی قربانیوں کا صلہ یوں سر عام اس کی عزت وپارسائی کا تمسخر اڑانے کی صورت میں ملا اس ضمن میں ماریہ اسلم اپنی کتاب محبت کا تجسیم گر (خلیل الرحمن بحیثیت ڈرامہ نگار) میں لکھتی ہے:

> ”میرے پاس تم ہو“ کے علاوہ عورت کی بے وفائی پر جتنے بھی ڈرامے تخلیق کیے گئے ان میں سے کسی میں بھی شوہر کو بیوی کے نئے محبوب کے روبرو بیٹھ کر بیوی کی دھوکہ دہی کے ثبوت دیکھنے کی تکلیف سے گزارا نہیں گیا مگر شہوار نے دانش کو اسلام آباد کے سفر اور مہوش کی شہوار سے محبت کی ساری روداد کہہ سنائی۔ مہوش کی ریکارڈ شدہ فون کال، شہوار کے ہمراہ تصاویر دیکھ کر دانش نے کمال صبر وتحمل، بردباری اور درگزر کا مظاہرہ کیا۔ یہی معاملہ ”میرے پاس تم ہو“ کا اہم ترین اصلاحی نکتہ ہے جس کے تحت خلیل الرحمٰن قمر معاشرے کو پیغام دے رہے ہیں کہ ایسی کٹھن صورت حال میں بھی اپنے تعلق، رفاقت اور محبت کے سبھی بھرم سنبھال کر پرائے مرد کے سامنے بیوی کو گالی نہ دی جائے۔(۴)

ہماری دانست میں اگر یہ کہا جائے کہ ”میرے پاس تم ہو“ سے قبل عورت کے کردار، حیا اور پاکیزگی کی اس درجہ تذلیل نہیں کی گئی اس سارے واقعے کو اس قدر شد ومد سے پیش کرنے کا مقصد طبقہ نسواں کو بدکردار اور بے حیا ثابت کرنا ہے جبکہ معاشرے کو ملنے والے پیغام کے متعلق مصنفہ نے جو کہا ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ خلیل الرحمٰن قمر معاشرے کی درست سمت میں اصلاح کرنا چاہتے تو کبھی مہوش کو شہوار کے سامنے ”دو ٹکے کی لڑکی“ نہ کہتے یہ گالی نہ صرف عصر حاضر کی عورت کے منہ پر طمانچہ ہے بلکہ مہوش دانش کی بیوی ہونے کے ساتھ ماں کے رتبے پر بھی فائز ہے جسے اگر وہ شاطر اور عیار مرد شہوار کے بہکاوے میں آکر بھلائے بیٹھی ہے لیکن دانش تو ایک اچھا اور مثالی مرد تھا وہ تو محبت کے سبھی بھرم سنبھالنا جانتا تھا جبکہ اب بھی مہوش اس کی بیوی نا سہی لیکن رومی کی ماں تو تھی جسے دانش دو ٹکے کا کہہ کر مردانہ وقار اور برتری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ بھول گیا کہ ایک ماں کے لیے غیر اخلاقی الفاظ کا استعمال ایک عظیم مرد کا وطیرہ نہیں جبکہ دوسری جانب متین صاحب کی اپنی بیوی سے بے وفائی کے بعد ان کے سماجی، معاشرتی اور خاندانی مقام کا جائزہ لیا جائے تو محبت میں دغا تو انہوں نے بھی دیا لیکن بے وفائی کا دکھ سہنے والی بیوی کا اپنی بیٹیوں کے ساتھ تنہا زندگی گزارنے کی بجائے دوسری شادی کر لینا

کہانی کا ایک بڑا جھول ہے جبکہ کہانی کا تقاضا تو یہ تھا کہ متین احمد نے بیوی سے بے وفائی کی اور دوسری محبت کر لی جیسا معاشرے کے زیادہ تر مردوں کی خصلت ہے شوہر کی بے وفائی پر بیویاں تنہا اولاد کی پرورش کرتیں ہیں جبکہ بیٹیوں کے ہوتے ہوئے تو دوسری شادی کا خیال تک نہیں آتا لیکن ڈراما نگار نے یہاں بھی عورت کی وفاشعاری اور مستقل مزاجی کو تسلیم کرنے میں تردد سے کام لیا ہے۔ شوہر کی بے وفائی پر ہانیہ اور وطیرہ کو تنہا چھوڑ کر ماں کا دوسری شادی کر لینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کے لیے ہر طرح کا ظلم و زیادتی برداشت کر کے کسی دوسرے مرد کو زندگی میں شامل کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔

متین احمد کی اس غلطی پر ہانیہ اور وطیرہ کی طرف سے باپ کے لیے کشیدگی، ناراضگی یا نفرت کا اظہار نہ تھا اور ماں کی مظلومیت، صبر برداشت اور وفاداری کا تذکرہ تک نہیں جس سے کئی سوال جنم لیتے ہیں مہوش کی بے وفائی پر رومی کا غصہ اور ناراضگی ہے تو ہانیہ اور وطیرہ کی طرف سے متین احمد کے لیے کسی بھی خفگی یا نفرت کا اظہار کیوں نہیں؟ یا مصنف نے محض عورت کی اس غلطی پر کی گئی تذلیل، تضحیک اور رسوائی کی شدت کو کم کرنے کے لیے متین احمد کی بے وفائی کے قصے کو شامل ڈراما کیا تا کہ انفرادی نقطہ نظر کو اجتماعی نقطہ نظر پر مسلط کیا جا سکے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا مقصد اصلاح معاشرہ کی بجائے ایک خاص طبقہ کی ذہنی و فکری اصلاح اور مقابل طبقے کو برتر، اور مظلوم ثابت کرنا ہے اس ضمن میں ڈاکٹر شاہدہ رسول اپنی کتاب ''وارث سے بندگی تک''میں لکھتی ہیں:

> ''موجودہ دور میں خاندانی انتشار کا بڑا سبب یہی ہے کہ اب مرد اور عورت کے درمیان محض مسابقت کا جذبہ نہیں بلکہ ایک طبقہ دوسرے سے افضل ہونے کی کوشش کر رہا ہے اور اسی کوشش میں نہ صرف طبقہ نسواں نے اپنی بنیادی ذمہ داریوں کو فراموش کر دیا ہے بلکہ مرد بھی معاشرے میں اپنے حصے کا کردار ادا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں"۔(۵)

ضرورت اس امر کی ہے کہ مرد و عورت دونوں کو اپنی ذمہ داریاں بلا امتیاز حسن تدبیر اور دلجمعی سے ادا کرنی ہیں اور معاملات زندگی میں مساویانہ طرز عمل اختیار کرنے میں ہی معاشرتی ترقی اور خاندانی بقا ممکن ہے۔

شہوار اور مہوش کے کردار کا موازنہ کیا جائے تو دونوں کا گناہ یکساں ہے لیکن شہوار کے کندھوں پر مہوش اور دانش کے ہنستے بستے گھر کو برباد کرنے اور مہوش کو ورغلانے کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے شہوار جیسے مرد ہر لڑکی کو بکاؤ مال سمجھتا ہے اور بری نظر سے دیکھتا ہے۔ شہوار کے مہوش کی زندگی میں آنے سے پہلے وہ دانش کے ساتھ خوش تھی۔ڈرامے کا اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> '' دانش ۔۔۔ گناہ کیا ہے تم نے، میں نے اسے گناہ کہا نہیں ہے Lets forget، ہم اپنی زندگی rewind کرتے ہیں، Atleast وہاں تک جہاں شہوار احمد ہماری زندگی میں نہیں تھا ہم اپنی زندگی پھر سے شروع کرتے ہیں۔۔۔"(۶)

یہ بات تو واضح ہوتی ہے کہ مہوش کی زندگی میں بگاڑ کی وجہ شہوار احمد ہی ہے جبکہ ڈراما نگار نے جابجا اس تاثر کو نمایاں کیا کہ شہوار جیسے مردوں کی فطرت کو بدلا نہیں جا سکتا کیونکہ بقول خلیل الرحمٰن قمر مرد ٹھیک نہیں ہو سکتا اس لیے یہاں بھی قصوروار عورت ہی ہے جو

شہوار جیسے مرد کے سامنے انکار کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ بیوی سے ناراضگی اور چپقلش کا احوال بتاتے ہوئے شہوار احمد کا یہ جملہ قابل غور ہے:

شہوار: ''مجھے کتے پالنے کا شوق ہے اور ان کا بھونکنا بہت برا لگتا ہے "(۷)

یعنی شہوار احمد ایک دولت مند انسان جو ہر خوبصورت لڑکی کو حاصل کرنا اپنا جائز حق سمجھتا ہے دولت کے گھمنڈ اور صنفی برتری کا احساس لیے وہ عورت کو حقیر اور محض لطف و تفریح کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اس جملے کو گہرائی سے پرکھا جائے تو شہوار احمد کے یہ الفاظ نا صرف طبقہ نسواں کی عزت نفس، خودداری اور خاندانی بقا بلکہ انسانیت کے خلاف عداوت اور شدت پسندانہ رویہ ہے۔ معاشرے کی تربیت واصلاح ایک تخلیق کار کا اولین فریضہ ہے مصنف کی قلم سے نکلے ایسے کاٹ دار جملے داخلی عناد وعداوت کے اخراج کی صورت تو ہو سکتی ہے جس سے معاشرے میں فساد اور بگاڑ کے امکانات یقینی ہیں یہاں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ اخلاقیات کا درس دینے والے خلیل الرحمٰن قمر ایسے جملے لکھتے ہوئے یہ کیوں بھول گئے کہ ایک مصنف کا منصب کیا ہے؟

اگر ڈراما نگار کا منشاء مثبت اقدار کی ترسیل و توضیح تھی تو شہوار کی سرعام شراب نوشی اور مہوش اور شہوار کا بغیر نکاح کے تعلق دکھا کر پاکستانی معاشرے کی مذہبی، تہذیبی اور قانونی اقدار کو یکسر فراموش کیوں کر دیا گیا؟ اس غیر شرعی تعلق کو دکھا کر معاشرے میں اس کی قباحتوں کو نظر انداز کر کے محبت میں بے وفائی کو ایک بڑے گناہ کے طور پر پیش کر کے مذہبی، سماجی، اور اخلاقی اقدار کی دھجیاں اڑا دی گئی۔ صرف یہی نہیں مرد سے بے وفائی کی اس غلطی کو شرک سے تشبیہ دے کر اسے عظمت کے بلند مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے اس ضمن میں دانش کا کہا گیا یہ جملہ ملاحظہ کیجئے:

عائشہ: ایک بار اپنی بیوی کی بے وفائی کو معاف کرنے کی ہمت تو کرو کوئی تو ہو جو عورت کو بھی معاف کر دیتا ہو۔

دانش: ایسا میں بھی سوچتا ہوں کہ اس کو معاف کر دوں لیکن پھر خدا یاد آ جاتا ہے مجھے۔ شرک تو خدا بھی معاف نہیں کرتا۔''(۸)

اس مکالمے میں شرک کی اصطلاح کو خدا کے علاوہ کسی ایک صنف سے موسوم کر کے نا صرف مرد طبقے کی برتری کو نمایاں کیا گیا بلکہ اس روایتی سوچ کو بھی اجاگر کیا کہ ''شوہر مجازی خدا ہوتا ہے'' اس لیے خدا کے علاوہ مرد بھی شرک معاف نہیں کرتا جبکہ عورت اس سے مستثنیٰ ہے اس کے لیے شراکت ایک فطری اور معمولی عمل ہے۔ ڈراما نگار نے ماہم، شہوار اور متین صاحب اور ان کی بیوی کے تعلق سے اس نقطے کی وضاحت تو کی لیکن جو شدت اور ثابت قدمی دانش کے کردار میں نظر آتی ہے وہ نسوانی کرداروں ماہم اور رہانیہ کی ماں میں مفقود ہے۔ یہاں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ اس گناہ کے سرزد ہونے پر جو دھتکار نسائی کردار مہوش کے حصّے میں آئی مرد کردار شہوار اور متین صاحب کے لیے کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خلیل الرحمٰن کے ڈرامے ایک مخصوص نظریاتی فریم ورک کے تحت عورت اور مرد کو پیش کرتے ہیں جو روایتی پدرشاہی نظام کی توثیق کرتے ہیں۔

ڈراما"میرے پاس تم ہو" صنفی امتیازات اور مذہبی نظریات سے تصادم کا اظہار ہے جہاں ہر سطح پر عورت قابل اصلاح جبکہ مرد تمام اخلاق و خصائص کا منبع ہے شراب نوشی اور زناکاری دو ایسے گناہ ہیں جن کی ممانعت مذہب میں بھی کی گئی لیکن ڈراما نگار نے ان بدعوامل کو گناہ کبیرہ کے طور پر اجاگر کرنے کی بجائے حقائق سے چشم پوشی اختیار کی۔

اگر ہانیہ کے کردار کا مرکزی مرد کردار دانش سے موازنہ کیا جائے تو یہاں بھی صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہیں ہانیہ کا کردار معاشرے کی مثالی عورت کے طور پر اجاگر ہوتا ہے۔ یہاں مرکزی مرد کردار دانش اور ہانیہ کے تقابل سے خلیل الرحمٰن قمر کے نسائی تصور کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی ہانیہ غیر محسوس طریقے سے اپنے شاگرد رومی کے باپ دانش کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے اور دانش اس قدر خود دار اور ثابت قدم ہے کہ مہوش کے زندگی سے چلے جانے کے باوجود بھی ہانیہ کی طرف متوجہ ہونا گناہ سمجھتا ہے جبکہ ہانیہ مصنف کے نظریہ فکر کے مطابق اچھی عورت ہوتے ہوئے بھی ڈرامے میں اس مقام سے محروم نظر آتی ہے جو دانش کو معاشرے کا اچھا مرد ہونے پر حاصل ہے۔ یہاں مصنف نے عورت کے بارے میں اس روایتی تاثر کو نمایاں کیا کہ دانش جیسے مرد کی تمنا ہر عورت کرتی ہے۔ دانش کی طرف جھکاؤ سے ڈراما نگار نے صنف نازک کا جو تصور نمایاں کیا اس نے طبقہ نسواں کو احساس کمتری کا شکار کر دیا ڈراما نگار نے اقدار و روایات کے پاسدار اس نسائی کردار کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کو تسلیم کرنے سے احتراز برتا ہے یہ کردار اپنی تمام تر خوبصورتی اور مثبت عوامل کے ساتھ کامیابیوں سے ہمکنار نہ ہو سکا اور معاشرتی، تہذیبی اور سماجی سطح پر صنف نازک مخالف طبقے میں وہ مقام، عزت اور پذیرائی حاصل کرنے سے محروم رہی جس کی وہ حقدار ہے۔

اس ضمن میں ڈرامے کا اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"وطیرہ: مجھے تو پورا یقین ہے اس نے سچ مچ تم سے آکے کہہ دیا کہ مجھ سے شادی کر لو تو فوراً کہہ دو گی ہاں کر لو۔

ہانیہ: کبھی نہیں کہے گا اس میں اتنی ہمت ہی نہیں ہے وہ تو چاہتا ہے اس بار وہ ایسی لڑکی سے محبت کرے جو اس کو محبت کے ساتھ وفاداری کی بھی لائف ٹائم گارنٹی دے ایسی کوئی لڑکی ہے نا کوئی گارنٹی اگلی بار بھی اعتبار ہی کرنا پڑے گا اسے"(۹)

ڈراما نگار نے طبقہ نسواں کے متعلق اس رائے کو اپنے مخصوص نظریہ فکر کے تحت مسترد کر دیا کہ عورت ہمیشہ باوفا ہوتی ہے مصنف کے تحریر کیے گئے یہ جملے ان کے اپنے ہی خیالات کے منافی ہیں کہ "عورت فطرتاً باوفا ہوتی ہے"۔ اور جو بے وفا ہوتی ہے وہ فطرتاً عورت نہیں ہوتی" "جبکہ درج بالا سطور میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایسی کوئی لڑکی ہے ہی نہیں جو وفا اور محبت کا پیکر ہو مصنف کے نظریات و خیالات کے ان تضادات نے سنجیدہ ناظرین کو اس صنف ادب سے دور کر دیا ہے لکھاری کے تحریر کردہ الفاظ نا صرف براہ راست سماجی اور تہذیبی نظام پر اثرانداز ہوتے ہیں بلکہ ڈراما نگار کی شخصیت و فکر کا عکس بھی ہوتے ہیں۔ ڈرامے چونکہ تہذیبی عناصر کے اظہار کا ذریعہ ہوتے

ہیں اس لیے نوجوان نسل کو مشرقی تہذیب و ثقافت سے متعارف کرانے اور اقدار وروایات کے فروغ میں ادیب و مصنف کو اپنی ذمہ داری سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرہ درست سمت پر گامزن ہو۔

"ذرا یاد کر" کے مردانہ اور نسوانی کردار

ہمارا اگلا دلچسپ مطالعہ سلسلہ وار اردو کھیل 'ذرا یاد کر'' ہے جس میں ڈراما نگار نے اپنے روایتی انداز فکر کو اپناتے ہوئے عورت کو کم فہم اور بد کردار جبکہ مرد کو صاحب بصیرت اور زمانہ شناس دکھایا ہے ڈرامے کا مرکزی مرد کردار ہادی انتہائی شریف النفس، بلند اخلاق اور مثالی خصائص کا حامل ہے ''میرے پاس تم ہو'' کے دانش کے مقابلے میں ''ذرا یاد کر'' کے ہادی کا کردار زمینی حقائق سے کچھ حد تک میل کھاتا ہے چونکہ کہانی کے اعتبار سے دونوں ڈرامے تقریباً مماثل ہیں۔

ہادی اور دانش یکساں نوعیت کے حامل کردار نظر آتے ہیں جو مرد کی بالادستی اور خلیل الرحمٰن قمر کی مخصوص طرز فکر کے ترجمان ہیں جہاں مرد ہر لحاظ سے بالاتر اور مستقل مزاج جبکہ عورت ماہ نور اور مہوش کے روپ میں جذباتی اور خود سر ہے۔

خلیل الرحمٰن قمر کے ڈراموں میں بنیادی کردار مرد کا ہوتا ہے جو اپنی تمام تر صفات و کمالات کے ساتھ صنف نازک کی تربیت و اصلاح کرتا نظر آتا ہے ہادی کے کردار کے ذریعے طبقہ نسواں کی کم مائیگی کو نمایاں کر کے مردانہ برتری کا پرچار کیا گیا ہے۔ہادی کے کردار کی ذہنی ساخت کا مطالعہ کریں تو سادگی اور معصومیت میں بے مثال ایک فرشتہ صفت انسان جو ماہ نور سے بے پناہ محبت کرتا ہے اور کسی دوسری لڑکی کی طرف دیکھنے کو بھی گناہ سمجھتا ہے یعنی ہادی قول و اقرار کا پابند جبکہ ماہ نور لاابالی فطرت کی مالک لالچی اور خود غرض لڑکی ہے ۔جس کی نظر میں رشتے، احساسات و جذبات کی کوئی وقعت نہیں اپنے ذاتی مفاد اور بے لگام خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر حد سے تجاوز کر جاتی ہے ہادی تمام تر اوصاف کے باوجود ایک روایتی اور بنیاد پرست مرد ہے جو اپنی منکوحہ ماہ نور پر اپنا حق ملکیت جتاتے ہوئے کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے جو ماہ نور کے لیے ناقابل قبول ہیں۔اس ضمن میں انیسہ کا یہ جملہ ملاحظہ کیجیے:

> ''انیسہ: کیوں لگا رہی ہو جب وہ کہتا ہے آفس میں لپ اسٹک لگا کر جانا مناسب نہیں ہے تو مت لگایا کرو۔"(۱۰)

ہادی کی سوچ اگر جنسی امتیاز سے بالاتر ہوتی تو ایک انسان کی حیثیت سے ماہ نور کے لیے قدرے مختلف ہوتی یہاں بھی روایتی مردانہ سوچ کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔خوبصورت اور اچھا لگنا ہر انسان کا فطری بنیادی حق ہے خواہ وہ مرد ہے یا عورت مردوں کی بری نظروں سے بچنے کے لیے عورت کو بدلنے کی بجائے مردوں کی اصلاح و تربیت کی ضرورت ہے تاکہ وہ صنف نازک کو لذت، رغبت اور لطف کا ذریعہ سمجھنے کی بجائے نا صرف عزت و احترام کی بات کرے بلکہ سماجی، معاشی اور اخلاقی سطح پر اپنے عمل اور رویے سے اسی عزت و وقار کا مظاہرہ کرے جو ایک انسان کا حق ہے۔اس حوالے سے ماریہ اسلم اپنی کتاب محبت کا تجسیم گر میں لکھتی ہیں:

"ہادی اپنی منکوحہ ماہ نور کو دنیاوالوں کی بری نگاہ سے اور بد ارادوں سے بچالینا چاہتا ہے۔۔۔ماہ نور کو ہادی کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں سخت ناپسند ہیں وہ جدت طرازی کی ہر ادا اپنا کر، سج سنور کر، پورے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ گھر سے نکلنا چاہتی ہے۔ہادی کو ماہ نور کے اس شوق پر اعتراض ہے نہ ہی ماہ نور پر اعتبار کم ہے بلکہ وہ ماہ نور کی سطحی سوچ اور زمانہ شناسی کے ہنر سے ناواقف ہونے پر اسے گنوا دینے کے خوف میں مبتلا ہے۔ہادی ماہ نور کا محافظ اور عاشق شوہر ہونے کی حیثیت سے ماہ نور پر روک ٹوک رکھتا ہے"(۱۱)

مصنفہ کی اس رائے پر کئی اختلافات اور سوالات جنم لیتے ہیں۔اگر ہادی کو ماہ نور پر اعتبار ہے تو پابندیوں کی ضرورت کیونکر پیش آئی؟اور دوسری بات یہ کہ اگر ماہ نور سطحی سوچ کی حامل ہے تو ہادی بھی تو بیوی پر شک کر کے اسی سطحی سوچ کا ثبوت دے رہا ہے جبکہ وہ ایک صابر اور باشعور مرد ہے۔جو محبت اور تحفظ کی آڑ میں صنف نازک سے آزادی سے جینے کا حق بھی چھین لینا چاہتا ہے جبکہ عورت اگر باشعور اور باکردار ہو تو اپنا تحفظ کرنا جانتی ہے۔

ڈراما "ذرا یاد کر" کا مرکزی مرد کردار ہادی عورت کی حیا اور کردار کو اس کے لباس اور نظریں جھکا کر بات کرنے سے پرکھتا ہے ڈرامے کا اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"ماہ نور: ایک بار تو غصہ آ گیا تھا مجھے اور اور دل میں آیا کہ جا کر ملوں اس عظمیٰ کی بچی کو لیکن پھر یاد آیا وہ تو تمہارے مالک مکان کی بیٹی ہے۔۔۔تو کیا کرایہ بچاؤ اپنا، مہینے کی آخری تاریخوں میں خط لکھ دیا کرو بچ گئے نا تین ہزار۔

ہادی: کیا بات کر رہی ہو

ماہ نور: صرف کرایہ نہیں بچے گا چائے کھانا بھی مفت میں ملا کرے گا شادی کے لئے بچاؤ نا پیسے۔

ہادی: ایسا نہیں ہوں میں۔

ماہ نور: معلوم ہے مجھے لیکن وہ تو ایسی ہے نا۔

ہادی: اس کے ابا سے دوستی ہے میری بڑی، بیچارے سکول ٹیچر کی نوکری کرتے ہیں۔ ۱۲ سے ۱۴ ہزار صرف ان کی تنخواہ ہے اور وہ بھی بری لڑکی نہیں ہے اچھی شرم و حیا والی ہے سر پر دوپٹہ اوڑھ کر آنکھیں نیچی کر کے بات کرتی ہے ابھی شاید کم عمر ہے اس لیے اس کو شاید پتہ نہیں چل رہا کہ کیا بے وقوفی کر رہی ہے۔"(۱۲)

ماہ نور کے الفاظ اس سوچ کی بھرپور وضاحت کرتے ہیں کہ مرد کو راہ راست سے بھٹکانے اور ورغلانے کی ذمہ دار عورت ہے جو فطری طور پر تیز طرار، چالاک اور بدلحاظ ہے جبکہ مرد سادہ، صاف گو اور مثبت سوچ کا حامل ہے دوسرا قابل غور نقطہ یہ ہے کہ ہادی کی سوچ موجودہ زمانے کے تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتی کیا ہر جدید طرز لباس اور دوپٹہ نہ اوڑھنے والی لڑکی بے حیا اور بدکردار ہے؟ اس کا

جواب یہ ہے کہ زاویہ فکر کو بدلنے کی ضرورت ہے ظاہری لباس اور شخصیت سے کسی کے کردار کی کمزوری اور ایمان کی پختگی کو نہیں پر کھا جاسکتا صدیوں سے مروجہ فرسودہ اقدار و روایات کو مثبت اور تعمیری نظریہ فکر سے بدلنے میں مدد مل سکتی ہے۔ جس سے معاشرہ ترقی اور بہتری کی جانب گامزن ہو سکے گا۔

ڈراما "زرا یاد کر" میں انسیہ کے کردار کا موازنہ عظمیٰ کے والد اختیار صاحب کے کردار سے کیا جائے جو ماہ نور کے جارحانہ رویے کی ذمے دار ہے بلکہ اختیار صاحب کی طرح مستقل مزاجی اور فہم و بصیرت سے محروم ہے اور اس تاثر کو بھی ڈراما نگار نے نمایاں کیا کہ عورت تنہا اولاد کی پرورش بہتر انداز میں کرنے کی اہل نہیں مرد کا کردار کلیدی ہے۔ جبکہ ماریہ اسلم نے مصنف کی فکر کے اہم نقطے کو یوں بیان کیا ہے:

"کہ اللہ نے عورت کو اتنا حوصلہ اور ہمت عطا فرمائی ہے کہ وہ شوہر کی عدم موجودگی میں تنہا اولاد کی بہترین پرورش کر لیتی ہے مگر مرد تنہا اولاد کو پروان چڑھانے میں ناکام رہتے ہیں۔"(۱۳)

جبکہ خلیل الرحمٰن قمر کے زیر مطالعہ ڈراموں میں جہاں بھی عورت تنہا اولاد کی پرورش کرتی ہوئی نظر آتی ہے ہمیشہ ناکامی اس کا مقدر بنتی ہے۔ "میرے پاس تم ہو" کے متین احمد بیوی سے بے وفائی کے باوجود اپنی اولاد کو باعزت نظام زندگی دینے اور اخلاقی صفات پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے جبکہ "ذرا یاد کر" کی انیسہ شوہر کی عدم موجودگی میں ماہ نور کی بہتر اخلاقی تربیت نہ کر سکی اختیار صاحب نے بیوی کی وفات کے بعد عظمیٰ کو ایک بہتر ضابطہ اخلاق کا حامل بنایا۔یعنی مصنف نے اس نظریہ فکر کو معاشرتی اور سماجی سطح پر منوانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ عورت چونکہ ہر لحاظ سے مرد سے کمتر ہے اس لیے زندگی میں تمام معاملات اور ذمہ داریوں کو بحسن خوبی سرانجام دینے کے لیے مرد کی دست نگر ہے ۔ خلیل الرحمٰن قمر کے بیشتر ڈرامے مصنفہ کے ان خیالات کی نفی کر رہے ہیں ڈراما نگار طبقہ نسواں کی فطری صلاحیتوں اور قابلیتوں کو تسلیم کرنے میں تردد کا شکار ہے جس سے عداوت کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔

عظمیٰ اور مرکزی مرد کردار ہادی کا تہذیبی اور سماجی تقابل کیا جائے تو یہ رمز واضح ہوتی ہے کہ ڈراما نگار نے اس نسائی کردار کو شعور و دانائی اور حیا و وفا جیسی صفات کا حامل محض اس صورت میں دکھایا کیونکہ وہ خلوص نیت اور فرمابرداری سے ہمہ وقت دو عظیم مردوں کی خدمت اور دلجوئی میں مصروف عمل ہے۔ اپنی انفرادی حیثیت اور مساویانہ طرز زندگی سے بے نیاز عظمیٰ مصنف کے اچھی اور وفادار عورت کے معیار پر تو پورا اترتی ہے لیکن جو معیار لکھاری نے قائم کرنے کی کوشش کی ہے وہ کسی بھی قابل عمل تاثر سے محروم رہا جبکہ مرد کردار ہادی کو خط لکھ کر پسندیدگی کا اظہار کرنے اور پھر ہادی کو ماہ نور کی ذمہ داریوں سے دستبردار ہونے کا مشورہ دے دونوں کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی عظمیٰ پر عائد کر دی گئی۔ عورت کے استحصال کی ذمہ دار ایک عورت کو ہی قرار دے کر ڈراما نگار نے کمال ہنر مندی سے ہادی کو اس الزام سے بری الذمہ قرار دے دیا۔

گیتی آرا آزاد، خود مختار اور باشعور ہو کر بھی زندگی میں کامیابی سے ہمکنار کیوں نہ ہو سکی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک عورت کی فعالیت گھریلو معاملات تک محدود ہو تو لائق تحسین ہے جبکہ سیاسی، اقتصادی اور معاشی سطح پر یہ فعالیت بنیادی ذمہ داریوں سے انحراف اور معاشرتی انتشار کا باعث ہے۔ مرد کردار مہتاب دیسوالی اپنے تمام تر مکروہ عزائم اور بداعمالیوں کے باوجود اس ذلت ، نفرت اور حقارت کا سامنا نہ کر سکا کیونکہ وہ مرد کے اعلیٰ مرتبے پر فائز اور اچھائی کی طرف راغب ہونے کی فطری صلاحیت سے بہرہ مند ہے۔ ڈراما نگار نے ماہ نور کے کردار کے ذریعے نوجوان نسل کی اخلاقی پستی اور مادیت پسندی کو نمایاں ضرور کیا لیکن حلالے کی غرض سے مختلف مردوں سے اس کی تذلیل و تحقیر اور غلطی سرزد ہونے پر احساس ندامت سے محروم دکھا کر معاشرتی اور سماجی سطح پر عورت کی حیثیت کو مشتبہ کر دیا ہے۔ حلالہ اور طلاق سے متعلق شرعی رہنمائی بھی مصنف کے فرائض میں شامل تھا لیکن یہاں بھی ان معاملات کو عورت کی بے وفائی اور مرد کی خودداری سے جوڑ دیا گیا

ڈرامے کا اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "انیسہ: ایک دفعہ تمہارے ابا کہنے لگے بتاؤ تو انیسہ سوچ کر بتاؤ کہ مرد شادی کیوں کرتا ہے؟ میں تو سچ مچ سوچ میں پڑ گئی پھر بولے مہینے بعد حساب کرو تو بیوی کا خرچہ مہینے کی چار باہر والی عورتوں سے زیادہ ہوتا ہے لیکن مرد پھر بھی شادی کرتا ہے۔ شادی پر لاکھوں کا خرچہ اور ہمت سے زیادہ بیوی کے ٹشن پورے کر کے دکھاتا ہے۔۔۔ پوچھو کیوں۔۔۔۔۔ اب دیکھو نا خدا کو کیا ضرورت تھی اربوں کھربوں انسان پیدا کرتا اور پھر ان کے کھانے پینے رہنے سہنے کی چیزیں پیدا کرتا لیکن شاید ضرورت تھی اسے وہ چاہتا تھا کوئی مخلوق ایسی ہو جو سجدہ کرے اس کے نام پر۔ عقل ہو دلیل ہو اس کے پاس اور سب کچھ دے دینے کے بعد کہا کہ میں رحمان ہوں رحیم ہوں سب گناہ معاف کروں گا لیکن شرک کبھی معاف نہیں کروں گا۔"(۱۴)

خلیل الرحمٰن قمر کے تحریر کردہ یہ جملے ان کے روایتی فکری نظریات کی تشریح و توضیح ہے مردانہ طبقے کو عظمت و بلندی اور کبریائی میں خدا کی ذات وصفات کے مساوی قرار دینا ایک متکبرانہ اور شدت پسندانہ سوچ ہے یہاں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ کیا مرد کی انا اور خودداری شرعی احکام سے بالاتر ہے؟ مذہبی حدود اور پابندیاں بلا تخصیص مرد اور عورت پر لاگو ہیں پھر مرد خود کو طاقت ور اور برتر جان کر خدا کے طے کردہ قوانین کے خلاف کیوں آواز اٹھانے لگا۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ عقل اور دلیل رکھنے والا مرد اس قدر سطحی سوچ کا حامل ہے کہ غرور اور تکبر کے زعم میں اسی خاندانی نظام کو تباہ کرنے کے درپے ہے جسے بچانے کی آڑ میں وہ طبقہ نسواں کو ذلیل ورسوا کرتا ہوا نظر آتا ہے کیا مرد ان تمام پابندیوں سے آزاد ہے جو معاشرہ اور مذہب اس پر عائد کرتا ہے؟ اور یہ اختیار مرد کو کس نے دیا کہ وہ اپنی جنسی ضرورت کی تکمیل کے لیے شادی کرے یا آزادانہ طرز عمل اپنائے شادی کر کے وہ اگر عورت کی کفالت کرتا ہے تو یہ اس کی عظمت اور احسان نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری ہے مرد کو خدا کے برابر درجہ دینا اور عورت پر اس کی پرستش کا حکم صادر کرنا بذات خود شرک ہے

ضرورت تو اس امر کی تھی کہ ڈراما نگار خاندانی نظام کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے یہ پیغام دیتے کہ مذہب اور معاشرہ مرد اور عورت کو بغیر نکاح کے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دیتا اس شرعی تعلق میں دونوں فریق مساوی حقوق و فرائض رکھتے ہیں کوئی ایک حاکم اور دوسرا محکوم نہیں مرد اور عورت کی تفریق سے بالاتر انسانیت کی بات کی جائے تو اس فتنہ انگیز سوچ اور غیر شرعی اخلاق و اطوار کو پنپنے سے روکا جا سکتا ہے مساویانہ نظام حیات ہی خاندانی بقا اور اعلیٰ اخلاقی اقدار و روایات کی ضامن ہے۔

حوالہ جات

۱. خلیل الرحمٰن قمر، انٹرویو، (نشر کردہ ایکسپریس نیوز، اتوار ۱۲ جنوری ۲۰۲۰ء)

۲. خلیل الرحمٰن قمر میرے پاس تم ہو، (نشر کردہ اے آر وائی ڈیجیٹل ۲۰۱۹ء)، قسط نمبر ۳۔

۳. خلیل الرحمٰن قمر، "انٹرویو" مشمولہ، روزنامہ جنگ۔

۴. ماریہ اسلم، محبت کا تجسیم گر خلیل الرحمٰن قمر بحیثیت ڈراما نگار، (ملتان: سخن سرائے پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء)، ص ۱۹۰۔

۵. ڈاکٹر شاہدہ رسول، امجد اسلام امجد کے ڈراموں کا سماجی اور سیاسی مطالعہ وارث سے بندگی تک، (جہلم: بک کارنر، نومبر ۲۰۲۱ء)، ص ۳۲۵۔

۶. خلیل الرحمٰن قمر، میرے پاس تم ہو، قسط نمبر (۱۰)

۷. ایضاً، قسط نمبر (۵)

۸. ایضاً، قسط نمبر (۲۰)

۹. ایضاً

۱۰. ایضاً، خلیل الرحمٰن قمر "ذرا یاد کر" قسط نمبر (۱)

۱۱. ماریہ اسلم "محبت کا تجسیم (خلیل الرحمٰن قمر بحیثیت ڈراما نگار) صفحہ نمبر ۱۶۷۔

۱۲. خلیل الرحمٰن قمر "ذرا یاد کر" قسط نمبر (۱)۔

۱۳. ماریہ اسلم "محبت کا تجسیم (خلیل الرحمٰن قمر بحیثیت ڈراما نگار) ص ۲۰۰۔

۱۴. خلیل الرحمٰن قمر "ذرا یاد کر" قسط نمبر (۴)

۱۵. ایضاً، یوٹیوب قسط نمبر (۲۱)

۱۶. Anwari Begum of Safia Bilgrami and Cultural Equilibrium: صفیہ بلگرامی کا انوری بیگم اور ثقافتی توازن | Tahreer - Journal of Languages and Literature

References:

1. Khalil-ur-Rehman Qamar, interview, (nashar kardah Express News, Sunday12 January 2020)
2. Khalil-ur-Rehman Qamar *Mere Paas Tum Ho*, (Nasher kardah ARY Digital 2019), Episode 3.
3. Khalil-ur-Rehman Qamar, "Interview" mashmoola, Roznama Jang.
4. Maria Aslam, *Mohabbat Ka Tajseem Gar: Khalil-ur-Rehman Qamar ba haisiyat drama nigar*, (Multan: Sukhan Saraye Publications, 2022), P.190.
5. Dr. Shahida Rasool, *Amjad Islam Amjad ke dramon ka samaji aur siyasi mutaala: Waris se Bandagi tak*, (Jhelum: Book Corner, November 2021), P. 325.
6. Khalil-ur-Rehman Qamar, *Mere Paas Tum Ho*, Episode (10).
7. Ibid, Episode (5).
8. Ibid, Episode (20).
9. Ibid.
10. Khalil-ur-Rehman Qamar, *Zara Yaad Kar*, Episode (1).
11. Maria Aslam, *Mohabbat Ka Tajseem (Khalil-ur-Rehman Qamar ba haisiyat drama nigar)*, P.167.
12. Khalil-ur-Rehman Qamar, *Zara Yaad Kar*, Episode (1).
13. Maria Aslam, *Mohabbat Ka Tajseem (Khalil-ur-Rehman Qamar ba haisiyat drama nigar)*, P.200.
14. Khalil-ur-Rehman Qamar, *Zara Yaad Kar*, Episode (4).
15. Aizan, YouTube:Episode (21).
16. Anwari Begum of Safia Bilgrami and Cultural Equilibrium: صفیہ بلگرامی کا انوری بیگم اور ثقافتی توازن | Tahreer - Journal of Languages and Literature